آزادئ صحافت اور غیر جانبداری

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

بحالی جمہوریت کے ساتھ یہ مطالبہ زور پکڑ گیا ہے کہ صحافت کو مکمل آزادی ملنا چاہیے۔ ذرائع ابلاغ اخبارات، ریڈیو، ٹی وی اور کیسٹ کو آزادی ملنی چاہیے۔ صحافت کا یہ حق ہے کہ وہ برسرِاقتدار گروہ کی دھاندلیوں اور غلط کاریوں سے پوری قوم کو باخبر کرے۔ صحافت کا یہ حق ہے کہ وہ معاشرہ کی خرابیوں اور گندگیوں کو عوام کے سامنے پیش کرے، صحافت اور ذرائع ابلاغ پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ خواہ ان کے بیان کردہ واقعات کی زد معاشرتی زندگی کی اساس اور بنیاد یعنی عقائد پر پڑے یا اخلاقی اقدار پر پڑے یا شرافت اور شائستگی پر پڑے۔

تصویر آج کل کی صحافت کا لازمی جزو ہے، اس لیے یہ آزادی تصویر سازوں (فوٹوگرافروں) کو بھی ملنی چاہیے۔ وہ ہر قسم کی نیم برہنہ، نیم عریاں نسوانی تصاویر مختلف ناز و ادا کے ساتھ، رنگ برنگ، دیدہ زیب، جاذبِ نظر شائع کریں، خواہ یہ تصاویر کوک شاستر کو مات کرنے والی ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو معاشرہ کی عکاسی کر رہے ہیں۔ جیسا معاشرہ ہوگا ویسی ہی تصویر بنے گی۔

فن کار بھی مظاہرۂ فن کے لیے مکمل آزادی کے طلب گار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر موضوع پر فن پارہ پیش کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ ناول، افسانہ، ڈرامہ، شعر، گیت، کسی فن پارہ پر کوئی قدغن، کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے، خواہ اس کی زد کسی پر پڑے۔ ٹی وی اور ریڈیو پر ہر قسم کی تمثیلیں پیش کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

یہ ساری آزادیاں بحال ہوں تو اُن کے خیال میں جمہوریت بحال ہوگی۔ اپنے مطالبے کے حق میں یہ لوگ کچھ اسی انداز سے استدلال پیش کرتے ہیں:

جمہوریت کا مطلب ہے عوام کی حکومت۔ اس لیے معاشرہ کی واقعی صورتِ حالات سب کے سامنے آنی چاہیے۔ یہ عوام کا حق ہے۔ حقائق اور واقعات کو چھپانے اور عوام کو ان کے حق سے محروم کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کے نقطۂ نظر سے بھی ان کے نزدیک صحیح راستہ یہی ہے کہ معاشرہ کی صحیح صورتِ حالات سب کے سامنے آئے۔ تاکہ اس کی اصلاح کی کوشش کی جا سکے، تاکہ اس کا علاج کیا جا سکے۔

اخلاقی زندگی کا تصور بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ خیر و شر کے دونوں پہلو ایک فرد کے سامنے آنے چاہئیں۔ اب یہ فرد کا کام ہے کہ وہ جس پہلو کو چاہے قبول کرے۔ اور جس پہلو کو چاہے رَد کرے۔ اس لیے خیر و شر بلاکم و کاست پیش کیا جانا چاہیے اور ذرائع ابلاغ یہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ مطالبات پیش کرنے والے لوگ مخلص ہیں اور نیک نیت ہیں اور سب معاشرہ کی اصلاحِ حال کے خواہش مند ہیں۔ پہلی گذارش یہ ہے کہ تیسری بات جو کہی گئی ہے وہ بداہتہً غلط ہے۔ اگر خیر و شر میں رہنمائی اور مشورہ دینے کا حق تسلیم نہ کیا جاتا تو پھر کسی فلسفی، حکیم، دانشور، مفکر، مدبّر، مصلح کی ضرورت نہیں تھی اور خود مدیر اور صحافی کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے یہ دعویٰ تو بالکل غلط ہے۔

آزادیٔ صحافت کا مطالبہ کرتے وقت یہ لوگ چند باتیں فرض کر لیتے ہیں۔ ان کا پہلا مفروضہ یہ ہے کہ انسان کے سامنے جب بھی خیر و شر، نیکی اور بدی کی دو تصویریں پیش کی جائیں گی تو انسان لازماً خیر کو قبول کرے گا اور شر کو رد کر دے گا۔ یہ مفروضہ حسنِ ظن کی ایک اچھی مثال تو قرار دیا جا سکتا ہے، مگر واقعات کی دنیا میں درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ انسان حق کو حق تسلیم کرنے کے بعد بھی بعض اوقات اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔

مرزا غالب فرماتے ہیں:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اِس سے ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ہر شخص کو حق کی شناخت اور پہچان ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ حق و باطل کے درمیان آویزش قدیم سے چلی آرہی ہے۔ یہ مسئلہ بہت پہلودار ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حق و باطل اور خیر و شر کی گتھی کو حل کرنے میں فلاسفہ صدیوں سے لگے ہوئے ہیں اور پھر خود سب سے زیادہ فکری اختلاف و انتشار میں مبتلا ہیں۔ یونان کے پہلے فلسفی طالیس سے لے کر جدید دَور کے سارتر تک ہر شخص کی راگنی جدا ہے۔ شاید ہی کسی بڑے مسئلہ پر دو فلسفی متفق ہوں، لہٰذا خیر و شر کے جس مسئلہ پر صدیوں سے فلسفی اُلجھ رہے ہیں، ہمارے سادہ لوح صحافی یہ یقین رکھتے ہیں کہ خیر و شر، نیکی اور بدی کے دیکھنے سے ہر فرد بشر، عورت، مرد، بچہ، بوڑھا، راہِ حق پالے گا۔ خود حق کا فیصلہ کرے گا۔ خود حق پر گامزن ہو جائے گا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ نادانی ہے یا حسنِ ظن، یا لادین مفکرین کی فریب دہی ہے۔

ہمارا آج کا معاشرہ نظری اور فکری انتشار میں مبتلا ہے۔ ہمارے معاشرہ میں دو تہذیبوں کا تصادم برپا ہے۔ یہ تصادم برابر کی حیثیت سے نہیں ہے۔ بلکہ ایک تہذیب غالب ہے اور دوسری مغلوب ہے۔ خواہی نخواہی غالب تہذیب ـــــ یعنی مغربی تہذیب کے افکار و خیالات، طور طریقے ہمارے معاشرے میں نفوذ کرتے جا رہے ہیں۔ اسی لیے معاشرہ میں فکر و نظر کی سابقہ یک رنگی اور یکسوئی مفقود ہے۔ اس معاشرہ میں خیر و شر اور نیک و بد کی تعریف اور انطباق پر پوری قوم متفق نہیں ہے، ایسے معاشرہ کے افراد سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ خیر و شر کے دونوں پہلوؤں کو دیکھ کر ضرور وہ خیر قبول کریں گے۔ اس لیے یہ مفروضہ ہی غلط ہے جس پر آزادیٔ صحافت والوں نے اپنے استدلال کی عمارت کھڑی کی ہے۔

ترسم کہ نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

پھر اس مفروضہ کے حاملین یہ بات بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ معاشرہ میں مرد عورت، بوڑھے، بچے،

نوجوان ہر قسم کے افراد ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان عمروں کا، مزاجوں کا، ماحول کا اور تعلیم کا فرق ہوتا ہے۔ ان کے درمیان فہم و فراست، عقل و خرد کا عظیم تفاوت ہوتا ہے۔ نہ سب کی سمجھ یکساں ہوتی ہے، نہ سب کی پسند یکساں ہوتی ہے۔ انسانی معاشرہ نیرنگی، بوقلمونی، اور تنوع کا مرقع ہوتا ہے۔ کسی واقعہ سے اثر قبول کرتے ہیں، کسی تصویر سے متاثر ہوتے ہیں ان کے درمیان بڑا عظیم فرق ہوتا ہے۔ اس صورتِ واقعی کی موجودگی میں کوئی نادان ہی یہ توقع کر سکتا ہے کہ ہر شخص کسی واقعہ کے صحیح محرکات اور صحیح نتائج معلوم کر لے گا۔ ہر شخص کسی تصویر کے صحیح اسباب اور محرکات کا پتہ چلا لے گا۔

دشواری کی وجہ ایک اور بھی ہے۔ مادی اور طبعی دنیا میں تو بلاشبہ اگر ایک سبب ہوتا ہے تو اس کا ایک ہی نتیجہ ہوتا ہے اور جو ہوتا ہے سب کو نظر آتا ہے۔ مگر عمرانی اور معاشرتی دنیا میں اسباب کا بھی ایک سلسلہ ہوتا ہے اور نتائج در نتائج کا بھی ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ یہ سارا سلسلہ غیر مادی ہوتا ہے اس لیے نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر ان کا احاطہ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں اس صورت میں یہ فرض کرنا نادانی ہوگی کہ ہر فرد بشر سلسلہ اسباب و علل خود ہی دریافت کر لے گا، اور خود ہی سلسلہ نتائج در نتائج دریافت کر لے گا، اور پھر اپنی دریافت کی بنا پر حق و ناحق، خیر و شر، نیک و بد کا فیصلہ کر لے گا۔ ایسی توقع امر واقع کے خلاف ہے۔ انسانی تاریخ کے خلاف ہے۔ اس اعتبار سے بھی یہ مفروضہ غلط ہے۔

ذرائع ابلاغ و صحافت کے مالک دعویٰ کرتے ہیں کہ "ہم تو خیر و شر دونوں کی تصویریں پیش کرتے ہیں" مگر کہاں پیش کرتے ہیں؟

اخبارات، رسائل، ٹی وی وغیرہ میں عورت کی نسوانیت کی تشہیر کی جارہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ عریاں اور اخلاق سوز انداز اختیار کیے جاتے ہیں۔ اخبارات کے درمیان اس سلسلہ میں باہمی مسابقت ہے اور دوڑ جاری ہے۔ عریانی، فحاشی اور بے حیائی کا سارا ایک طرفہ ٹریفک ہے۔ پاکبازی، عفت و حیا داری کی دوسری تصویر کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے معاشرہ کا معزز ترین طبقہ اداکاروں اور اداکاراؤں کا ہے۔ گزشتہ چالیس سال میں ریڈیو اور ٹی وی کے

درس میں قرآن مجید کی ان آیات کو باریابی کا موقع نہیں ملا جن میں عورت کو حجاب، حیا اور عفت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب اگر اس پر صحافی دعویدار ہیں کہ ہم تو تصویر کے دونوں رخ پیش کرتے ہیں تو بجا ہے۔ ایک طرف تو دیو ہیکل گاما پہلوان ہے اور دوسری جانب مجنون عامری ہے۔ اس مقابلہ کا جو نتیجہ نکلے گا وہ ظاہر ہے۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ ایک رخ کو پوری شدت کے ساتھ اُبھارا جارہا ہے۔ تمام ذرائع ابلاغ اس "مقدس جہاد" میں ہراول دستہ ہیں۔ کیا یہ استبداد بالقلم اور استبداد بالتصویر نہیں ہے؟ یہ ہے جمہوری اقدار پر آپ کا ایمان اور طرزِ عمل؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ اخبارات کی رنگین اشاعتوں نے اور ٹی وی اور ریڈیو کے ڈراموں نے دینی اور اخلاقی قدروں کا دیوالیہ نکال دیا ہے۔ قوم کی نوخیز نسل میں تشدد کا رجحان بڑھا ہے۔ کوئی شخص انکار کرسکتا ہے کہ بے راہروی کی اس فصل کو پکانے اور تیار کرنے میں ڈائجسٹوں اور ٹی وی کے ڈراموں کا سب سے زیادہ دخل ہے۔

آزادیٔ صحافت اور ذرائع ابلاغ کے ان شیدائیوں نے کبھی سوچا ہے کہ جس سفر پر یہ بے لگام آزادی کے خواہاں پاکستانی قافلہ کو پہنچانا چاہتے ہیں، اس کی منزل مراد کہاں ہے؟ جس سڑک پر یہ گامزن ہیں وہ ان کو پہنچائے گی کہاں؟ مغرب کا معاشرہ بھی دینی اور اخلاقی اقدار کا حامل معاشرہ تھا۔ چار صدی قبل اہلِ مغرب نے اپنا سفر اسی بے لگام آزادی کے زیرِ سایہ شروع کیا تھا۔ وہ اخلاقی دیوالیہ پن اور خاندانی انتشار کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

جہاں آج بھی یک زوجگی کا قانون نافذ العمل ہے وہاں عصمت و عفت کی دھجیاں ہوا میں بکھر رہی ہیں۔ یک زوجی پر نہ کوئی مرد قانع ہے نہ عورت۔ کوئی شے ممنوع نہیں۔ نکاح کی ضرورت نہیں۔ ہم جنسی کو چرچ نے جائز قرار دیدیا ہے۔ گھر کے معصوم بچے باپ اور بھائیوں کی ہوس سے بچ نہیں سکتے۔ سویڈن میں تو برہنہ بازار سے ہیں۔ حماموں کی طرح بازار میں جنسی دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ اور خودکشیوں کی بھرمار ہے۔

چودہ سال بعد باپ اولاد کو کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ خود کمائیں اور کھائیں۔ اولاد بھی بڑھاپے میں ماں باپ کو گھر پر رکھنے کی روادار نہیں وہ ان کو دارالضعفاء میں داخل کر آتے ہیں، جو بلدیہ نے قائم کر رکھے ہیں۔ خاندانی اُلفت، خاندانی احترام سب ختم ہوگئے۔

شادی کا مقصد جب لذت اندوزی ہی رہ گیا تو اب زوجین کا ہے کو بچے پالنے کا جھنجھٹ مول لیں۔ ہزارہا گھروں میں میاں بیوی اور کتا بلی تو ملیں گے۔ بچہ کوئی نظر نہیں آئے گا۔ بچوں کی پیدائش ایک فیصد رہ گئی ہے۔ شرح پیدائش کی کمی سے انگلستان، فرانس، جرمنی، روس سبھی ممالک میں ہے۔ وہاں بھی آغاز پسند کی شادی اور مخلوط اجتماعات سے ہوا تھا۔ بعد میں یہ انجام ہوا۔

کیا بے لگام آزادیٔ صحافت کے طلب گار پاکستان کی مسلمان قوم کو اخلاقی دیوالیہ پن کے اس سفر پر روانہ کرنا چاہتے ہیں؟ کیا اخلاقی دیوالیہ پن کے نتائج جو مغرب میں ظاہر ہو رہے ہیں وہ یہاں بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں ہم ہرگز یہ سفر اختیار کرنا نہیں چاہتے۔

خیر و شر، نیک و بد اور حق و باطل کی تمیز کرنے میں حکماء اور فلاسفہ نے بے حد ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو محض عقل کی رہنمائی پر نہیں چھوڑا کہ وہ بھول بھلیوں میں بھٹکتے پھریں بلکہ انسانوں کی رہنمائی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اس نے اوّل روز سے انسانوں کی رہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا۔ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں انبیاء کرام آئے ہیں۔ آخری ہدایت قرآن مجید ہے جو تمام سابقہ ہدایتوں کی جامع ہے۔ اور آخری اسوۂ ہدایت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جب ہم اللہ پر، رسول پر اور کتاب پر ایمان لے آئے تو اب ہم غیر جانب دار نہیں رہے۔ ہم نے اسلام کو قولاً، فعلاً اور عملاً قبول کر لیا۔ اب ہمارا قول و فعل قرآن مجید اور اسوۂ رسولؐ کے مطابق ہونا چاہیے۔ مسلمان بن کر غیر جانب داری کا دعویٰ کرنا تضاد فی نفسہ ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت پر صدقِ دِل سے ایمان لائیں اور پوری دیانت داری سے اس پر عمل پیرا ہوں۔

فحاشی اور بے حیائی کے متعلق اللہ کی کتاب میں واضح ہدایات موجود ہیں۔

۱۔ "میرے رب نے حرام قرار دیا ہے فحاشی کو خواہ ظاہر ہو یا باطن"

(اعراف۔۳۳)

۲۔ "جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحاشی پھیلے، وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں" (نور۔۱۹)

آیت کا مفہوم صاف واضح ہے۔ یہ فحاشی پھیلانے کی ہر کوشش کو اور ہر طریقہ کو قابلِ عذاب قرار دے رہی ہے۔ اس میں فحش مضامین، افسانے، قصے، کہانیاں، اشعار، تصویریں، ڈرامے، کھیل تماشے،

سب آگئے - اس میں ریڈیو، ٹی - وی، کیسٹ، ویڈیو سب آگئے - اس کا اطلاق ہوٹلوں، کلبوں اور دوسری مجالس پر بھی ہوتا ہے - جہاں مخلوط تفریحات، مخلوط رقص و سرود اور بے حیائی و عریانی کا اہتمام کیا جاتا ہے -

۳ -- "اللہ تعالٰی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بُرائی کو ظاہر کرتا پھرے - مگر یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو (وہ کر سکتا ہے)، اللہ سب کچھ جاننے والا اور سننے والا ہے"۔

(النساء - ۱۴۸)

یہ آیت بتاتی ہے کہ بدی اور فحاشی کا چرچا کرنا بھی غلط ہے - چرچا کرنے سے بدی پھیلتی ہے - اس کی اشاعت ہوتی ہے - یہ ڈائجسٹ، ناول، ڈرامے وغیرہ سب بُرائی کا چرچا کرتے ہیں - گندی باتوں کو پھیلاتے ہیں - جیل خانوں میں عادی چور قصے، کہانیاں سنا سنا کر نو گرفتاروں کی تربیت کرتے ہیں - گاؤں کی چوپالوں میں بھی بوڑھے لوگ بعض دفعہ بے حیائی کے قصے سنا کر نئی نسلوں کو بگاڑتے ہیں - ان سب پر اس آیت کا اطلاق ہوتا ہے -

صحافت کے لیے صرف منفی ہدایات ہی نہیں دی گئیں، بلکہ مثبت ہدایات بھی دی ہیں - قرآن کہتا ہے:

۱ -- "اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہا کرو"۔

(الاحزاب - ۷۰)

۲ -- "لوگوں سے بھلی بات کہو"۔ (البقرہ - ۸۳)

۳ -- "اُن سے معروف طریقے سے بات کرو"۔ (النساء - ۸)

بلاشبہ اسلام اظہار رائے کی آزادی دیتا ہے - حکمرانوں پر تنقید کا حق سب سے پہلے اسلام نے دیا ہے - ایک بڑھیا بھی خلیفہ وقت پر اعتراض کر دیتی تھی - مگر یہ تمام آزادیاں اسلام کے دائرۂ کار کے اندر رہتے ہوئے ہیں - اسلامی حدود کو پھلانگنے کا حق کسی کو نہیں ہے - اسلام نہ بے لگام جمہوریت کا حامی ہے، نہ مادر پدر آزادی کا قائل ہے - اسلام کا اپنا فریم ورک ہے - اسلامی ہدایات کے تحت جمہوریت بھی درست ہے، اور اظہار رائے بھی صحیح ہے -

پاکستان کے صحافی اور ذرائع ابلاغ کے کارکن سب کے سب بفضلہٖ تعالٰی مسلمان ہیں - اسلام

بنیادی اقدار پر ان کا ایمان ہے۔ اُن کا آخرت پر ایمان ہے اور آخرت میں محاسبہ پر اُن کا یقین ہے۔ اس لیے قرآن کے الفاظ میں ان کی تصویر یہ ہونی چاہیئے۔

"نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے"

(توبہ - ۱۱۲)

اِس لیے پاکستان کے مسلمان صحافیوں اور اصحاب ذرائع ابلاغ کے سامنے ہر دم آخرت میں اعمال کی جواب دہی کا تصور رہنا چاہیے۔ ان کو خیر کا طالب ہونا چاہیے۔ اُن کو شر سے بیزار ہونا چاہیے۔ ان کی جدوجہد کا ہدف معروف کو پھیلانا اور منکرات کو دبانا ہونا چاہیے۔ اسلامی ریاست کا ایک اہم فریضہ بھی معروف کو پھیلانا اور منکرات کو دبانا ہے۔

بعض مالکانِ اخبار کے متعلق سُنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری پالیسی غیر جانب داری کی ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کا مطلب کیا ہے؟ کیا وہ حق و باطل اور خیر و شر کی کشمکش میں غیر جانب دار ہیں؟ کیا وہ کفر و اسلام کی جنگ میں غیر جانب دار ہیں؟ کیا ہدایت اور ضلالت کے درمیان وہ غیر جانب دار ہیں؟ کیا فرعون اور موسٰی کے درمیان بھی وہ غیر جانب دار رہیں گے؟ کیا ابوجہل اور رسولؐ اللہ کے درمیان بھی وہ غیر جانب دار رہیں گے؟